نظرات

طویل و خونریز جدوجہد اور ہزاروں بلکہ لاکھوں انسانوں کی قتل و غارتگری کی تباہی و بربادی کے بعد بالآخر ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو فلسطینی تحریک کے سربراہ جناب یاسر عرفات اور موجودہ سیاست اسرائیل کے وزیر اعظم مسٹر رابن نے اس مسودۂ سمجھوتہ پر دستخط کرکے امن کا آغاز فرمایا ہے۔ جس کے تحت مقبوضہ علاقے کے فلسطینیوں کو محدود خود مختاری مل گئی ہے یعنی فلسطینی باشندے اپنے علاقوں میں اندرونی طور پر خود مختار ہوں گے، (انکی اپنی پولیس وغیرہ بھی) ہوگی۔ لیکن خارجی معاملات میں وہ اسرائیل ہی کے ماتحت ہوں گے۔ کہا جاتا ہے کہ اس سمجھوتہ کے لئے عرصہ سے ناروے میں فلسطین اور اسرائیل حکومت کے نمائندوں کے درمیان میں خفیہ طور پر بات چیت ہوتی رہی۔ کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہونے پائی کہ امریکہ کے اشارے وتعاون بلکہ ہدایت پر ناروے میں اسرائیل اور فلسطین آپس میں ایک دوسرے کے نزدیک آنے کے لئے کئی حصّوں میں بات چیت میں مشغول ہیں، ظاہر ہے کہ دونوں کے درمیان میں ایسے موقع پر خوب اختلاف بھی پیدا ہوئے ہوں گے۔ لیکن چونکہ امریکہ کی منشا ورضا تھی کہ فلسطین اور اسرائیل آپسی اختلافات اب ختم کرکے مل بیٹھیں۔ امریکہ کی منشا ورضا کے آگے کسی بھی ملک کے مفاد یا کسی قوم کی عزت وعظمت کی کہاں کچھ ہوسکتی ہے؟ چنانچہ امریکی دباؤ کے تحت دونوں دشمن، دوست بن گئے۔ اب یہ نہ پوچھئے کہ اسرائیل اور فلسطین میں دوستی سے امریکہ کو کیا مفاد حاصل ہوسکتا ہے؟ اس دور میں سب کے نزدیک اوّل اور مقدم اپنا اپنا مفاد ہی ہے۔ امریکہ کا جو مفاد ہے اسرائیل اور فلسطین کی دوستی میں اس کا ذکر اس وقت لاحاصل ہے۔ جبکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسرائیل اور فلسطین کی آپسی چپقلش برسوں جو جاری رہی وہ بھی امریکہ، برطانیہ اور فرانس جیسی بڑی طاقتوں ہی کی مرہونِ منت تھی۔ اسرائیل نام کے ملک کو وجود میں لانے والی بھی یہی

یہ تینوں طاقتیں ہیں اور اسرائیل کو ہر لحاظ سے مضبوط سے مضبوط تر کرکے اس کے ذریعہ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کا بازار گرم رکھنے والی بھی یہی تینوں بڑی طاقتیں [illegible] طاقت ہو کر روس کا نام لیا جاتا ہے اس لئے کہ روس اب خود بکھر چکا ہے اس نے کتنا ہی باقی رکھنے کے لئے جو پاپڑ بیلے تھے کتنے ہی ملکوں کو توڑا یا تڑوایا کتنوں کو تباہ و برباد کیا مگر انجام اس کا بھی عبرت ناک ہوا۔ روس اپنے کیفر کردار کو پہنچ چکا ہے اس لئے اس کا نام کا یہاں ذکر کرنا فضول سی بات ہے۔ مگر آج پوری دنیا پر جس زور و شور اور مضبوطی کے ساتھ یہ تینوں طاقتیں امریکہ، برطانیہ اور فرانس بغیر حکمرانی نام کے حکمرانی و تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ اس کے پیش نظر ہر ملک کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی زاویہ سے ان طاقتوں کے رعب و دبدبہ میں ہے اس لئے امریکہ کی منشاء و رضا کے بغیر اگر کوئی ملک کچھ حاصل کرنا چاہے تو وہ آج کے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد مستبعد ہی نظر آئے گا۔

بہر حال اسرائیل اور فلسطین کے درمیان میں سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان دونوں کو اس سمجھوتہ سے حاصل کیا ہوا ہے۔ اور فائدہ میں زیادہ کون رہا ہے سرسری سا ہی جائزہ لینے سے پتہ چل جاتا ہے کہ اس سمجھوتہ سے اسرائیل اپنے اس بنیادی مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے جس کے تحت اس نے اپنا ملک فلسطینی باشندوں کو در بدر کرکے قائم کیا تھا۔ اور فلسطینی آج بھی اس مقام پر ہیں جہاں وہ اس وقت تھے جب ان کے وطن سے انہیں بے دخل کرکے ان کی زمین پر اسرائیل نام کے ملک کو قائم کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس درمیان میں اپنی جانوں کی جو قربانی دی تھی اپنے معصوم بچوں کو ظالم و جابر ملکوں کی فوجوں سے بربریت اور وحشت ناک طریقہ سے قتل کرایا شہید کرایا اپنی عورتوں کو بے عزت کرایا۔ اپنے بوڑھوں کو پریشان و اذیت ناک انداز میں ختم کرایا وہ سب ان کے نقصان میں گن کر ایک طرف کر دیا گیا ہے۔

اس موجودہ صورتحال میں فلسطین اور اسرائیل کے درمیان سمجھوتہ کے مسودہ پر نگاہ ڈال کر ملت اسلام کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس پر فخر و مباہات اور خوشی و مسرت کا اظہار کرنا چاہیئے یا پھر اس پر آنسو بہانے چاہئیں۔ یہ اہم سوال دماغ میں کوند رہا ہے یقیناً تمام

حالات پر غور و خوض کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ یہ موقع نہ تو فخر و مباحات ہی کا ہے اور نہ ہی غم و غصہ یا آنسو بہانے کا۔ اسے تو ہم وقت و حالات کا تقاضہ ہی کہیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ملّت اسلامیہ کی قربانیوں کو رائیگاں بھی نہیں کہا جائے گا بس قدرت کا جو فیصلہ ہوا وہ ہوگیا۔

لیکن ـــــ یہ لیکن کیا؟ بس اسے نہ پوچھیئے کہ اس لیکن میں ملّت اسلامیہ کے لئے عبرت ناک واقعات دردناک پہلو پوشیدہ ہے۔ آج بیسویں صدی میں ہم سلطان صلاح الدین ایوبیؒ یا خالد بن ولیدؓ کی شجاعت و بہادری، پارسائی و نیکی اور اولوالعزمی کیسے تلاش کرسکتے ہیں۔ یاسر عرفات نے جب اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائی ہوگی تو انھیں اس سمجھوتہ ہی میں عافیت نظر آئی ہوگی ایسا ہمارا خیال ہے

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عرب مسلمانوں میں اور اسرائیلی یہودیوں میں پچھلے ایک سو سال سے جو خونی کشمکش چل رہی تھی وہ ختم ہوگئی ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں ہے۔ دراصل ۱۴ سو سال سے جو یہودیت اور عیسائیت عالم اسلام کے خلاف نبرد آزما ہے اسی نظریہ کے تحت اسرائیل قائم ہوا اور اسکو بنائے رکھنے کے لئے عیسائیت نے یہودیت سے اشتراک کیا انہوں نے اپنے اختلافات کو سمیٹا اور یہودیت کو عالم اسلام کے مدمقابل لا کھڑا کیا۔ صلیبی جنگوں سے عیسائیت کو جو نہ حاصل ہوسکا اسے انہوں نے یہودی ملک قائم کرکے جسطرح حاصل کیا ہے وہ حیرت و استعجاب کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ عالم اسلام کے موجودہ رہنماؤں نے اسطرف توجہ نہیں دی اور وہ اپنی اپنی ڈگر پر ہی چلتے رہے۔ یہاں ہمیں اس بات کا اعتراف کرلینا چاہیئے کہ فلسطین اور اسرائیل کے درمیان میں جو ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو جو سمجھوتہ ہوا ہے وہ عیسائیت اور یہودیت کی فتح ہے اور عالم اسلام کے رہنماؤں کی مکمل پسپائی و شکست ہے۔

ابھی فلسطین ملک دنیا کے نقشہ پر نہیں بنا ہے یہ بات سمجھ لینا چاہیئے۔ جبکہ اسرائیل نقشہ پر موجود رہے ہے۔ موجودہ سمجھوتہ کے تحت اسرائیلی فوجی فلسطینی علاقوں سے ہٹنے شروع ہوجائیں گے۔ اور ایک سال کے اندر ان کی مکمل واپسی ہوگی ۱۳ جولائی ۱۹۹۴ء تک فلسطینی کونسل کے

انتخاب ہو جائیں گے تاکہ وہاں یہودی پناہ گزینوں کی حفاظت ہو سکے۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۹۵ء سے بات چیت شروع ہو گی ۱۳ دسمبر ۱۹۹۸ء تک مکمل سمجھوتہ ہو جائے گا۔ یعنی دنیا کے نقشہ پر فلسطین نام کے ملک کو دیکھنے کے لئے ابھی پانچ سال اور انتظار کرنا ہوگا وہ بھی اس صورت میں جبکہ اسرائیل کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اب اسے کوئی خطرہ نہیں ہے اور عرب فلسطین اس کے ساتھ امن کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ گویا کہ سب کچھ اسرائیل کے رحم و کرم پر ہوگا جو بات عربوں کو بغیر کسی قربانی کے آج سے تیس چالیس سال پہلے مل رہی تھی اور اس میں عرب فلسطین کی مرضی و منشا مقدم تھی اب وہ سب معدوم ہے۔ عرب فلسطینیوں کی مرضی کی اب کوئی وقعت نہیں ہے جو اسرائیل، امریکہ، برطانیہ اور فرانس کی ہدایت پر انھیں دینا چاہے گا دے دیگا۔ اسے ہم کیا کہیں؟ عرب قیادت کی ناعاقبت اندیشی سے ہی مجبوراً ہمیں تعبیر کرنا پڑے گا۔ عرب فلسطینیوں کے بلند بانگ دعوے تھے کہ ہم اسرائیل کو نیست و نابود کر کے ہی دم لیں گے وہ سب کھوکھلے ہی ثابت ہوئے اور جس کو وہ نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے اسی سے اپنے وجود کو قائم کرنے کے لئے اب پر تول رہے ہیں۔ اسے مقام عبرت ہی کہا جائے گا۔

مذکورہ بالا اسرائیل اور فلسطین کے درمیان میں سمجھوتہ کا عرب فلسطین کے بعض طبقات نے مخالفت کرنی شروع کر دی ہے وہ اپنے رہنماؤں سے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا ان کے تمام مطالبات کا۔ کہاں گئے وہ مکمل آزادی کے دعوے! تھوڑی بہت مخالفت اسرائیل میں بھی ہوئی ہے مگر وہ ایسی ہے جسے نظر انداز ہی کیا جائے تو بہتر ہے جلد یا بدیر ہر یہودی اس بات کو سمجھ جائے گا کہ ہم کسی بھی گھاٹے میں نہیں رہے ہیں۔ لیکن فلسطین میں جو اسکی مخالفت ہو رہی ہے اس سے یہ اندیشہ و خدشہ لاحق ہے کہ کہیں وہ آپسی خوں ریزی میں نہ بدل جائے۔ اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ سمجھوتہ کے عوض مصر کے صدر انور السادات کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا تھا اس وقت پوری عرب دنیا میں مصر کی مخالفت کی گئی تھی۔ خبر ہے کہ فلسطین میں کئی گروپ ایسے ہیں جنھوں نے یاسر عرفات کی مخالفت شروع کر دی ہے۔ کاش مخالفت کرنے والے فلسطینی یہ سمجھ جائیں کہ اس سائنسی و مشینی دور میں یاسر عرفات نے مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں کے بیچ میں جو حاصل کیا ہے غنیمت ہے اسی پر اس وقت تک اکتفا کرنے میں کوئی حرج نہیں جبتک طاقت کے توازن کا رخ نہ بدل جائے۔ ہم فلسطین کے روشن مستقبل اور یاسر عرفات کی سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔